''طریقت'' کے نام سے بہت سے ''خلافِ شریعت'' امور یعنی گناہوں کا ارتکاب بھی کرتے ہیں، معاذ اللہ۔

اس مسئلے کی سنگینی کے پیشِ نظر حضرت خضر علیہ السلام کے واقعے پر مختصر روشنی ڈالنے کی کوشش ہوگی۔ ان شاء اللہ

حضرت خضر علیہ السلام کے ثابت شدہ خاص اعمال پر اسلامی شریعت کی روشنی میں نظر ڈالی جائے، تو ان میں کوئی ایسا رخنہ نہیں نظر آتا، جس کے بل بوتے پر کسی بھی شخص کے لیے ''اسلامی احکام سے خروج'' کا جواز مل سکے:

(۱) ظالم بادشاہ کے خطرے سے کشتی کو توڑ دینا: قرآن مجید کا نص صریح ہے کہ اس کام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حقیقت سے لاعلمی کی بنا پر اعتراض کیا۔ مالکان یا ملاحوں کے اعتراض کا کوئی اشارہ تک نہیں دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی طرح ان کو بھی اس بات کا علم تھا؛ جبھی تو انہوں نے اس کام پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

(۲) ایک شریر لڑکے کو اس کے نیک والدین کے ایمان کی حفاظت کی خاطر قتل کرنا: حدیث شریف میں ثابت ہے کہ وہ لڑکا دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ ''غلام يلعبُ معَ الغلمانِ'' [البخاری العلم باب ما یستحب للعالم إذا سئل .....ح:۱۲۲، مسلم الفضائل ۱۷۰/ ۲۳۸۰] سیاقِ قرآنی سے ظاہر ہے کہ یہ اقدام کر کے دونوں اطمینان سے آگے روانہ ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھی لڑکے بھی اس کے کردار سے بہت تنگ تھے، حتیٰ کہ ان میں سے کسی نے اس کو بچانے کی کوشش تو درکنار، اس کام پر اعتراض تک نہیں کیا۔ یقیناً لڑکے کے والدین نے بھی اس ناگہانی موت پر سکھ کا سانس لیا، ورنہ وہ ان دونوں کے تعاقب میں اگلی بستی پہنچ جاتے۔

اس واقعے میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ شریر لڑکے کو جرم کے ارتکاب سے قبل دنیاوی سزا دلائی۔ **اللّٰہ عالم الغیب والشھادۃ** اپنے کمالِ علم وعدل کی بنیاد پر ایسا کر سکتا ہے۔ ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ﴾ [الأنبیاء:۲۳]

(۳) بستی والوں کی مہمان نوازی سے انکار کے باوجود یتیموں کی دیوار سنوارنا: یہ کمالِ اخلاق ومروت ہے۔ اولیائے الٰہی دشمن سے بھی حسن سلوک کرتے ہیں۔ اس اخلاق حسنہ پر حضرت کلیم اللہ علیہ السلام بھی مطمئن تھے، لیکن غذائی ضرورت پوری کرنے کی خاطر ایک مشورہ دیا تھا۔

خلاصہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم اور افضل پیغمبر علیہ السلام کو ان سے کم درجہ نبی علیہ السلام کے ذریعے قولاً وعملاً یہ تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز اور ہر زمانے پر محیط ہے؛ لہٰذا جس چیز کا علم وحی کے ذریعے حاصل نہ ہو، ان میں کسی کے لیے کسی پر برتری کا دعویٰ کرنا خلافِ احتیاط ہے۔ واللہ اعلم

باب الفتاویٰ

فتویٰ میں تقویٰ

ابراہیم خلیل عبدالرحیم ۔اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ

دورِ حاضر میں "فتویٰ" ہمارے قومی اور عالمی میڈیا کا ایک مرکزی موضوع بن چکا ہے۔مختلف عناوین پر بات کرنے کے لیے مختلف قسم کے لوگوں کو بُلا کر "مذہبی اسکالر" کے لقب سے نوازا جاتا ہے،اور وہ اپنی چرب زبانی کے زور پر حق کو باطل اور باطل کو حق بنا کر پیش کرتے ہیں۔فتویٰ کی بنیاد "کتاب وسنت" نہیں ہوتی؛ بلکہ ان کی چرب زبانی کا کرشمہ ہوتا ہے۔

یہ لوگ سستی شہرت کے لیے فتاویٰ کے اصول وقواعد کو بالائے طاق رکھ کر "تتبع الرخص" کے اصول پر چلتے ہیں۔اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اِفتاء کا منصب بہت اہم اور نازک ہے۔جو شخص فتویٰ دیتا ہے،وہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان وسیلہ اور پُل کی حیثیت رکھتا ہے۔وہ اللہ کی طرف سے دستخط کرتا ہے کہ اس مسئلے میں اللہ کا حکم یہ ہے۔

افتاء کے منصب کی نزاکت اور خطرناکی کے پیشِ نظر کئی علماء نے فتویٰ کے اصول وقواعد اور آداب پر جامع کتب لکھی ہیں،جن میں سے امام خطیب بغدادیؒ کی کتاب "الفقیہ والمتفقہ"، حافظ ابن الصلاحؒ کی کتاب "آداب المفتي والمستفتي"،ابن حمدان حنبلیؒ کی کتاب "صفة الفتویٰ والمفتي والمستفتي" اور امام نوویؒ کی کتاب "المجموع شرح المهذب" کا مقدمہ اس باب میں شہرت کے حامل ہیں۔امام ابن عبدالبرؒ کی کتاب "جامع بيان العلم وفضله" میں اصول فتویٰ سے متعلق کافی مواد موجود ہے۔امام ابن القیمؒ نے اپنی مشہور کتاب "اعلام الموقعين عن رب العالمين" میں فتاویٰ کے اصول وقواعد بہترین انداز میں تحریر میں فرمائے ہیں۔

ان علماء کرام نے افتاء کے منصب کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اس کے اصول وضوابط احاطہ تحریر میں لائے۔

سلف صالحینؒ،علم میں اعلیٰ درجہ رکھنے کے باوصف اصدارِ فتویٰ کے بارے میں حد درجہ محتاط تھے۔

فتویٰ میں احتیاط کرنے کے چند سلفی نمونے:

صحابہ کرامؓ،تابعین عظامؒ اور ائمہ دینؒ فتویٰ دینے میں بہت زیادہ محتاط تھے۔اس کی بعض مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ معاویہ بن ابی عیاشؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں سیدنا عبداللہ بن الزبیرؓ کی مجلس میں موجود تھا۔اتنے میں محمد بن ایاس بن بکیرؒ آکر کہنے لگا: ایک دیہاتی نے اپنی بیوی کو دخول سے پہلے تین طلاقیں دی ہیں،اس بارے میں آپ

کی کیارائے ہے؟ عبداللہ بن الزبیر ﷺ نے فرمایا: ہمیں اس بارے میں کچھ بھی علم نہیں، تم عبداللہ بن عباس ﷺ اور ابو ہریرہ ﷺ سے پوچھو، ان دونوں کو میں سیدہ عائشہؓ کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔ پھر ہمیں بھی ان کے جواب سے آگاہ کرو۔ محمد بن ایاس بکیرؒ ان کے پاس آئے اور مسئلے کے بارے میں دریافت کیا تو ابن عباس ﷺ نے ابو ہریرہ ﷺ سے فرمایا: ''افتِ یا أباهریرة فقد جاء تکَ معضلة ''اے ابو ہریرہ ایک پیچیدہ مسئلہ آیا ہے، آپ ہی اس کے متعلق فتویٰ دیں۔ آخر کار ابو ہریرہ ﷺ نے جواب دیا: '' الواحدة تبینُها والثلاث تحرمُها حتی تنکحَ زوجاً غیرَہ '' پہلی طلاق بائنہ ہے (جس میں شوہر کو رجوع کا حق ختم اور عورت کی مرضی سے نئے عقد کی گنجائش ہے) اور تین طلاقیں اس عورت کو حرام کر دیں گی، جب تک وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے پھر اسے طلاق ہو جائے۔'' [جامع بیان العلم وفضله ۲/ ۲۷٤-۲۷٥]

۲۔ جلیل القدر تابعی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ فرماتے ہیں: '' أدرکت عشرین ومائة من أصحاب رسول الله ﷺ ، ما منهم رجل یُسأل عن شیٔ إلا ودّ أنَّ أخاه کفاه ..... یُسألُ أحدُهم عن المسألةِ فیردها إلٰی هذا، إلی هذا حتی ترجعَ إلی الأولِ'' [سنن الدارمی ۱/ ۲٤۸ رقم ۱۳۷، جامع بیان العلم وفضله ۲/ ۲۷٤] ''میں نے ایک سو بیس صحابہ کو پایا، ان میں سے کسی سے مسئلہ کے بارے میں سوال کیا جاتا تو وہ یہی چاہتا کہ اس کا جواب اس کا بھائی دے، اور کبھی ان سے کوئی سوال ہوتا تو وہ اپنے بھائی کی طرف اشارہ کرتا اور وہ تیسرے کی طرف اشارہ کرتا، یہاں تک کہ وہ سوال پہلے صحابی کی طرف لوٹ آتا۔''

۳۔ مالک بن انسؒ امام دار الہجرۃ فرماتے ہیں: '' مدینہ منورہ میں میری بہت سے علماء وفقہاء سے ملاقات ہوئی۔ ان میں سے کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا، تو ان کی حالت ایسی ہو جاتی گویا کہ موت طاری ہو گئی ہے۔ جبکہ ہمارے زمانے میں لوگ فتویٰ دینے کو پسند کرتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو کل قیامت کے دن غلط فتویٰ کی سزا کا علم ہو تو وہ کبھی فتویٰ دینے کی جسارت نہ کریں۔

۴۔ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب ﷺ اور علی بن ابی طالب ﷺ کا زمانہ خیر القرون تھا، اور یہ لوگ خیار صحابہ میں سے تھے۔ جب ان سے کسی مسئلہ کے متعلق دریافت کیا جاتا، تو وہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کو جمع کرتے اور ان سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھتے۔ پھر جس بات پر اتفاق ہو جاتا اس کے مطابق فتویٰ صادر کرتے؛ جبکہ ہمارے دور میں لوگ فتویٰ دینے پر فخر کرتے ہیں۔ [ترتیب المدارك ۱/ ۱۷۹]

۵۔ اللہ تعالیٰ امام مالکؒ کی قبر پر رحمتوں کا نزول فرمائے۔ اگر وہ آج ہمارے زمانے کے نام نہاد مذہبی اسکالرز کو پردۂ سکرین پر فتویٰ بازی کرتے ہوئے دیکھتے، تو ان کے بارے میں کیا فرماتے؟ امام مالک بن انسؒ کے متعلق آتا ہے کہ ان سے ایک دن پچاس مسائل کے بارے میں سوال کیا گیا، ان میں سے کسی کا جواب نہیں دیا۔ بلکہ آپ کہا کرتے تھے: "من أجاب في مسألةٍ فينبغي قبل الجواب أن يعرضَ نفسه على الجنة والنار وكيف خلاصُه، ثم يجيبه" کوئی بھی عالم جواب دینے سے قبل اپنے نفس کو جنت یا جہنم پر پیش کرے اور یہ سوچے کہ نجات کس طرح ممکن ہے، پھر جواب دے۔ [آداب المفتي والمستفتي لابن الصلاح ۱/۷۹]

۶۔ آپ ہی کے شاگرد الہیثم بن جمیلؒ کہتے ہیں کہ ایک دن امام مالکؒ سے اڑتالیس مسائل کے بارے میں پوچھا گیا، ان میں بتیس مسائل کے بارے میں فرمایا: "لا أدري" مجھے اس کے بارے میں علم نہیں۔" [آداب الفتوىٰ والمفتي والمستفتي للنووي ص ۳]

۷۔ جلیل القدر تابعی ابو المنہالؒ بیان کرتے ہیں کہ میں زید بن ارقمؓ اور البراء بن عازبؓ سے الصرف (درہم و دینار کے تبادلے) کے بارے میں جب بھی ایک سے پوچھتا' وہ دوسرے کی طرف اشارہ کر کے کہتے: "ان سے پوچھو، وہ مجھ سے زیادہ دیانتدار اور زیادہ علم والے ہیں۔" [جامع بيان العلم وفضله ۲/ ۲۷۸]

۸۔ امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کہتے ہیں کہ ایک دن میں امام مالکؒ کی مجلس میں تھا۔ ایک اجنبی آیا اور کہنے لگا میں چھے ماہ کی طویل مسافت طے کر کے اپنی بستی والوں کی طرف سے بطور نمائندہ ایک مسئلہ آپ سے پوچھنے آیا ہوں۔ امام مالکؒ نے فرمایا: پوچھو! جب اس نے مسئلہ بیان کیا، تو امام صاحبؒ نے اس کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا کہ مجھے اس کا صحیح علم نہیں۔ ابن مہدیؒ کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ کا جواب سن کر وہ آدمی دنگ رہ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ میں تو ایسے شخص کے پاس آیا ہوں، جو سب کچھ جانتا ہے۔ اس نو وارد نے عرض کیا کہ میں اب واپس جا کر اپنی بستی والوں کو کیا جواب دوں، جنہوں نے صرف آپ سے دریافت کرنے کے لیے بطور خاص مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی بستی والوں سے کہنا: مالکؒ کہتا ہے: اس مسئلہ کے بارے میں اسے کوئی علم نہیں ہے۔ [جامع بيان العلم وفضله ۲/ ٤٥]

۹۔ ابن عونؒ کہتے ہیں کہ ایک دن میں القاسم بن محمد بن ابی بکرؒ کے ساتھ تھا۔ ایک شخص آیا اور کسی مسئلہ کے متعلق ان سے پوچھنے لگا۔ آپ نے جواب میں فرمایا: مجھے اس بارے میں مکمل علم نہیں، تو سائل نے کہا: میں یہاں کسی عالم کو نہیں جانتا، آپ ہی اس بارے میں رہنمائی کریں۔ آپؒ نے فرمایا تم میری لمبی داڑھی اور میرے اردگرد لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر

دھوکے میں مت آؤ، واقعتاً مجھے اس بارے میں علم نہیں۔

اسی مجلس میں موجود ادھیڑ عمر کے ایک قریشی آدمی نے کہا: اے اجنبی! تم اس مسئلے کی بابت ان سے جواب کے لیے اصرار کرو، میں نے اس مجلس میں تم جیسا ہوشیار نہیں دیکھا ہے۔ تو القاسمؒ نے فرمایا: "**لأن يُقطع لساني أحبُّ إليّ من أن أتكلمَ بمالا علم لي به**" میری زبان کا کٹ جانا مجھے زیادہ محبوب ہے اس بات سے کہ میں کسی ایسے فتویٰ کے متعلق جواب دوں جس کا مجھے صحیح علم نہ ہو۔ [جامع بيان العلم وفضله ٢/ ٤٤]

فتویٰ دینے میں زیادہ جرأت مندی دکھانے والے سلف صالحینؒ کی نظر میں:

سفیان بن عیینہؒ فرماتے تھے: "**أجرؤ الناسِ على الفتوىٰ أقلهم علماً**" فتویٰ دینے میں زیادہ جرأتمند وہ شخص ہوتا ہے جو علمی طور پر نکما ہو۔" [جامع بيان العلم وفضله ٢/ ٤٩] سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے "اے لوگو! جس شخص سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا جائے، اسے اس کا علم ہو تو ضرور اس کو بیان کرے۔ اور جس کو علم نہ ہو "**الله أعلم**" کہے؛ کیونکہ جس چیز کا علم نہ ہو اس کے بارے میں الله اعلم کہنا بھی علم ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو یہ کہنے کا حکم دیا ہے: ﴿**قل لآ أسئلكم عليه من أجر ومآ أنا من المتكلفين** ۝﴾ [ص ٨٦] "کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔" [البخاری كتاب بدء الوحی باب قوله ﴿وما أنا من المتكلفين﴾ ح:٤٨٠٩] اور صحیح مسلم میں ہے: "**مِن فقهِ الرجل أن يقول لمالا علم له به: اللهُ أعلمُ**"

حبر الامة سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جو شخص کوئی ایسا فتویٰ دیتا ہے جس کا اسے علم نہیں، تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔" اور ابو حصین عثمان بن عاصمؒ فرماتے ہیں: "**إن أحدَهم ليفتي في المسألة، لو وردت على عمر** رضی اللہ عنہ **لجمعَ أهلَ بدرٍ**" [الآداب الشرعية لابن مفلح ١/ ٦٥] "آج کل لوگ ایسے ایسے مسائل میں فتویٰ دینے لگ گئے ہیں، اگر یہ مسائل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو درپیش ہوتے تو وہ اہل بدر کو جمع کر کے ان سے حل معلوم کرتے۔"

اس کی واضح مثال ہمیں اس واقعہ سے ملتی ہے: جلیل القدر صحابی سیدنا رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا تھا، اتنے میں ایک شخص آیا اور پکارا اے امیر المؤمنین! یہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو غسل جنابت کے متعلق اپنی رائے سے فتویٰ دے رہے ہیں۔ امیر المؤمنین نے فوراً انہیں اپنی مجلس میں حاضر

ہونے کا حکم دیا۔ زید بن ثابت ﷺ حاضر ہوئے تو امیر المؤمنین ان سے مخاطب ہوئے: "أی عدوَّ نفسِہ قد بلغت أنک تفتی الناسَ برأیک! "" اے اپنی ذات کے دشمن! تم لوگوں کو اپنی رائے سے فتوے دے رہے ہو؟ تو زید بن ثابت ﷺ نے جواباً عرض کیا: "امیر المؤمنین! میں نے اپنی رائے سے تو فتویٰ نہیں دیا؛ بلکہ میں نے یہ ابوایوب انصاری ﷺ، ابی بن کعب ﷺ اور رفاعہ بن رافع ﷺ سے سنا ہے۔" یہ سن کر امیر المؤمنین رفاعہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم لوگ اپنی بیویوں سے جماع کر کے عدم انزال کی صورت میں غسل نہیں کرتے تھے؟ تو رفاعہ ﷺ گویا ہوئے: ہم اللہ کے نبی ﷺ کے زمانے میں ایسا کیا کرتے تھے، ہمیں اللہ کی طرف سے کوئی حرمت نہیں ملی اور نہ ہی اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے منع کیا۔ امیر المؤمنین عمر ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا آپ ﷺ جانتے تھے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں؟ تو رفاعہ ﷺ نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ امیر المؤمنین نے مہاجرین وانصار کو جمع کیا اور ان سے اس مسئلہ کے بارے میں مشورہ کیا تو ان میں سے بعض نے کہا کہ اس پر غسل واجب نہیں، لیکن معاذ بن جبل ﷺ اور علی بن ابی طالب ﷺ نے ان کے جواب سے اختلاف کیا اور فرمایا: "إذا جاوزَ الختانُ الختانَ فقد وجبَ الغسلُ" "جب دو ختنہ کی چیزیں (شرمگاہیں) آپس میں مل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔" ان کا یہ اختلاف سن کر امیر المؤمنین نے فرمایا: "ھذا وأنتم أصحابُ بدر قد اختلفتم، فمَن بعدَکم أشدُّ اختلافاً" "تم اصحاب بدر اختلاف کے شکار ہو، تمہارے بعد والے اس سے کہیں زیادہ اختلاف کے شکار ہوں گے۔" تو حضرت علی بن ابی طالب ﷺ جو سیدنا عمر ﷺ کے سُسر اور مشیر خاص تھے، نے فرمایا: اس مسئلے میں ازواج مطہرات ؓ سے زیادہ کوئی جاننے والا نہیں، آپ ام المؤمنین سیدہ حفصہ ؓ کے پاس کسی کو پوچھنے کے لیے بھیج دیں۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا "لا علم لی بھا، فأرسل إلٰی عائشة" مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں، عائشہ ؓ سے پوچھا جائے۔" جب عائشہ ؓ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے وہی کہا، جو معاذ ﷺ اور علی بن ابی طالب ﷺ کا جواب تھا: "إذا جاوز الختانُ الختانَ فقد وجبَ الغسل" جب مسئلہ کی وضاحت ہوئی تو سیدنا عمر ﷺ نے فرمایا: "اگر آج کے بعد مجھے یہ معلوم ہوا کہ کسی نے ایسا کیا ہے، تو میں اس کو سزا دوں گا۔ [مصنف ابن أبی شیبة ۱/۵۲۲-۵۲۳ ح:۹۵۲]

عہد فاروقی میں افتاء کی علمی کمیٹی:

سیدنا عمر ﷺ نے اپنے دورِ خلافت میں فتویٰ دینے کے لیے بعض صحابہ کرام ﷺ کو مخصوص کیا ہوا تھا۔ اور جن صحابہ کو جس جس علم پر عبور حاصل تھا، صرف اسی کے بارے میں فتویٰ دیتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "من أراد أن یسأل

عن القرآنِ فليأتِ أبيَّ بن كعب ﷺ، ومن أراد أن يسأل عن الفرائضِ فليأتِ زيدَ بن ثابت ﷺ، ومن أراد أن يسألَ عن الفقهِ فليأت معاذَ بن جبل ﷺ، ومن أراد أن يسألَ عن المالِ فليأتِني، فإن اللهَ تبارك وتعالى جعلني له خازناً وقاسماً" [أبو عبيدؒ في كتاب الاموال ١/٣٣٢ ح: ٥٦٠، البيهقي في سنن الكبرىٰ ٦/٢١٠، الحاكم في المستدرك ٣/٣٣٠-٣٣١]

اور سیدنا عمر ﷺ کا یہ قانون بنوامیہ کے دور میں بھی رائج رہا۔ حج میں فتویٰ کے لیے عطاء بن ابی رباحؒ مقرر تھے۔ امام ذہبی امام عطاء بن ابی رباحؒ کے حالات زندگی میں لکھتے ہیں: بنوامیہ کے دور میں ایام حج میں یہ اعلان ہوتا تھا: " لا يفتي الناسَ إلا عطاءُ بن أبي رباح، فإن لم يكن عطاءٌ فعبدُالله بن نجيحٍ "[سير أعلام النبلاء ٢/٤٥٩-٥٨٢]

اور عباسی عہد میں بھی یہ نظام رہا، جیسے کہ عبداللہ بن وہبؒ فرماتے ہیں: " سمعت منادياً ينادي بالمدينة: ألا لا يفتي الناسَ إلا مالكُ بن أنس وابنُ أبي ذئب" ''میں نے مدینہ منورہ میں یہ اعلان سنا کہ لوگوں کو فتویٰ مالک بن انسؒ اور ابن ابی ذئبؒ کے سوا کوئی اور نہ دے۔'' [ما رواه الأكابر عن مالك بن أنسؒ ص ٦١]

یہ ہیں سلف صالحینؒ کے چند نمونے جو علم کے کمال کو پہنچنے کے باوجود بہت ہی احتیاط سے فتوے دیتے۔ اگر ان کو علم نہ ہوتا تو کسی جاننے والے کے حوالہ کرتے۔ لیکن آج کل ہم ایسے دور سے گزر رہے ہیں، جس میں لوگ فتوے دینے پر فخر کرتے ہیں۔ بالکل وہی زمانہ آ گیا ہے جس کے بارے میں اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: "...... اِتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوساً جُهَّالاً فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا " [البخاري كتاب العلم باب كيف يقبض العلم ١/١٨٧ ح ١٠٠] ''لوگ جاہلوں کو سردار بنائیں گے، ان سے سوال ہوگا تو بغیر علم کے جواب دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

اور دوسری حدیث میں آتا ہے: " سيأتي على الناسِ سنواتٌ خداعاتٌ يصدَّقُ فيها الكاذبون ، يكذَّبُ فيها الصادقون ، يؤتمَنُ فيها الخائنون ويخوَّنُ فيها الأمينونَ، يَنطقُ فيها الرويبضةُ. قيل وما الرويبضة؟ قال: الرجلُ التافهُ، فيأمرُ العامةَ" [ابن ماجه ح: ٤٠٢٦ وصححه الألباني في الصحيحة برقم: ١٨٨٦] ''لوگوں پر دھوکے والے سال آئیں گے، جن میں جھوٹے شخص کی تصدیق کی جائے گی، اور سچ بولنے والے کو

جھٹلا یا جائے گا، خیانت کرنے والے کو امانتدار سمجھا جائے گا، اور امانتداروں کو خیانت کرنے والا کہا جائے گا، اور ''رویبضة'' (عاجز نکمے لوگ) اہم امور میں باتیں کرنے لگیں گے۔ کسی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ رویبضة کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''گھٹیا آدمی جو عوام پر حکم چلائے۔''

آج کل ہم انہی مسائل سے دوچار ہیں۔ دین کے معاملے میں مقاصدِ شرعیہ اور علومِ دین سے نابلد لوگ فتویٰ دیتے ہیں۔ جائز کو ''ناجائز'' اور ناجائز کو ''جائز''، حلال کو ''حرام''، اور حرام کو ''حلال'' قرار دیتے ہیں۔ ناحق کسی کا خون کرنے کو ''جهاد في سبيل الله''، مسلمانوں کی پاک دھرتی کو ''دار الكفر''، اور کتاب وسنت کی روشنی میں فساد فی الارض اور ابریاء کا ناحق خون بہانے پر حرمت کا فتویٰ لگانے والوں کو ''مرتد'' قرار دیا جارہا ہے۔

اور دوسری طرف بعض ''روشن خیال'' لوگ شریعت کے بنیادی اصولوں سے ہی انکار کردیتے ہیں۔ کوئی یہ فتویٰ دیتا ہے کہ شرعی تقسیم میراث میں ﴿للذكر مثل حظِّ الانثيين﴾ کا قاعدہ مسلمہ نہیں؛ بلکہ عورت کو مرد کے برابر حصہ ملنا چاہئے۔ کوئی یہ فتویٰ دیتا ہے کہ مرد وزن کا اختلاط عین شریعت کے مطابق ہے۔ کوئی موسیقی کو جائز قرار دیتا ہے۔

الغرض طرح طرح کے مسائل میں دلائل وحجت کے بغیر اپنے من کے مطابق فتویٰ دینا آج کل اِن لوگوں کا طرۂ امتیاز بن چکا ہے۔ بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جو غلط فتویٰ کے خطرات کو سمجھتے ہوئے بلا علم وتحقیق فتویٰ کے گناہ سے ڈرتے ہیں۔ جبکہ جاہل اور بیوقوف لوگ فتویٰ دینے میں نہایت ہی بے باک ہیں۔ اس فانی دنیا میں سستی شہرت کے حصول، اور لوگوں کے دلوں میں اپنا رعب جمانے کے لیے، یا اپنے مختلف دنیاوی مذموم مقاصد کے حصول کے لیے بے دھڑک حرام کو حلال قرار دیتے ہیں۔

امام ربیعہ بن عبد الرحمٰن الرائی ؒ ایک مرتبہ زار وقطار رو رہے تھے۔ کسی نے پوچھا: آپ پر کوئی مصیبت آن پڑی ہے؟ کیوں رو رہے ہیں؟ تو آپؒ نے افسوس کرتے ہوئے فرمایا:

''علم وحکمت سے دور لوگوں سے فتویٰ پوچھا جارہا ہے۔ اسلام میں بہت بڑا سانحہ رونما ہوا ہے۔ آج کل کے بعض مفتی صاحبان، چور اور ڈاکو سے زیادہ زندان کے مستحق ہیں۔'' [جامع بيان العلم وفضله ۲/۳۵۵]

اس مضمون کے آخر میں امام خطیب ابوبکر بغدادیؒ کی شہرۂ آفاق کتاب الفقيه والمتفقه کے ایک باب کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے، جو انہوں نے ''باب ذكر شروط من يصلح للفتوىٰ'' کے نام سے قائم کیا ہے۔

''مفتی کا منصبِ فتویٰ قبول کرنے کے لیے اس بندے کا عاقل، بالغ، عادل، ثقہ، اور احکام شرعیہ کا عالم ہونا